مسلمانوں نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دکھایا

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسلمانوں نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دکھایا

(تقریر فرمودہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

تشہّد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جب کوئی قوم غالب آتی ہے تو اعلیٰ اخلاق کو ترک کر دیتی ہے۔ مسلمانوں پر یورپین اعتراض کرتے ہیں مگر انہوں نے خود کیسا گندا نمونہ دکھایا ہے۔ مسلمانوں کے غلبہ کے زمانہ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ وہ کسی مُلک میں گئے ہوں اور اُس مُلک کے باشندوں کو خواہ وہ کتنی ہی ادنیٰ حالت میں ہوں فنا کر دیا ہو اور آپ اُن کے مُلک میں بس گئے ہوں۔

مسلمان سپین میں گئے اور وہاں سات سَو سال تک حکومت کی لیکن اِس سات سَو سال کے عرصہ میں اُنہوں نے سپین کے باشندوں کو تباہ نہیں کیا۔ مسلمان بربرا میں گئے جہاں کے باشندے بالکل وحشی تھے، تباہ حال تھے، ننگے پھرتے تھے لیکن مسلمانوں کے جانے کے بعد اُن کی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی۔ مسلمانوں نے اُن کو تعلیم دی اور اُن کے اندر ایسا تغیر پیدا کر دیا کہ دنیا کے بڑے بڑے عالم بربر میں پیدا ہوئے اور اب تک وہی قوم اس مُلک میں آباد ہے۔ مسلمان مصر میں گئے اور وہاں ایسی شاندار حکومت کی کہ مصر کی زبان ہی عربی ہوگئی لیکن باوجود اِس کے آج تک وہاں کی اصلی قومیں موجود ہیں۔ مسلمان شام میں گئے اور ایسی حکومت کی کہ شام کی زبان ہی عربی ہوگئی لیکن وہاں کی قومیں اب تک موجود ہیں حالانکہ یہاں کثرت

سے عیسائی تھے اور اب ان کو آزاد حکومت مل گئی ہے ورنہ پہلے وہ مسلمانوں کے ماتحت تھے لیکن ان کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مذہب کو بدلیں۔ مسلمان فلسطین میں گئے لیکن اُنہوں نے وہاں کے باشندوں کو تباہ نہ کیا بلکہ اب تک وہ قومیں موجود ہیں۔ دوسرے مذاہب کو اختیار کر لینے سے ہم کسی کو نہیں روک سکتے۔ وہ اگر مسلمان ہوئے تو اپنی مرضی سے۔ اسی طرح مسلمان افریقہ میں گئے لیکن کوئی علاقہ ایسا نہیں جس کی نسل فنا ہوگئی ہو۔ غرض جہاں جہاں مسلمان گئے وہاں کی اصلی قومیں اب تک موجود ہیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو عرب کے باشندے بھی بستے ہیں لیکن وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ اِسی طرح ماریشس ہے، جاوا ہے، سماٹرا ہے، مڈغاسکر ہے، فلپائن ہے۔ اِن علاقوں میں سے جس جگہ بھی مسلمان گئے وہاں کے لوگوں کو ہر رنگ میں فائدہ پہنچایا انہوں نے کسی قوم کو مٹایا نہیں اور کسی قوم کی جگہ دنیاوی طور پر نہ لی بلکہ جہاں جہاں بھی مسلمان گئے وہاں اُن علاقوں کی قومیں ان کے زمانہ میں آباد رہیں۔ کسی ایک جگہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہاں کی قوموں کو مٹا کر مسلمانوں نے اُن کے مُلک پر قبضہ کر لیا ہو۔ مگر ان ہی علاقوں میں جب یورپین اقوام گئیں تو انہوں نے وہاں کی ساری دولت اور جائدادیں اپنے قبضہ میں کر لیں اور وہاں کے اصلی باشندوں کو مٹا دیا۔ مثلاً نیروبی ہے وہاں عربوں کا اتنا دخل تھا کہ وہاں کی زبان بگڑی ہوئی عربی ہے لیکن باوجود اِس کے کہ نیروبی مسلمانوں کے ماتحت تھا وہاں کی جائدادیں وہاں کے اصلی باشندوں کے پاس رہیں اور اب تک وہ نسلیں چلی آتی ہیں لیکن جب وہاں انگریز گئے تو انہوں نے ان کی زمینوں اور جائدادوں پر قبضہ کر لیا اور کہا کہ حبشیوں کو چونکہ کبھی زمین پر قبضہ کرنے کا خیال نہیں آیا اِس لئے یہ اپنے مُلک میں زمینوں کے مالک نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ وہاں کی زمینیں کچھ انگریزوں میں بانٹ دی گئیں اور کچھ حکومت نے لے لیں۔ ایک ایک انگریز کو بیس بیس میل لمبا علاقہ دے دیا گیا جسے وہ بیس بیس نسلوں تک بھی آباد نہیں کر سکتے۔ لیکن عربوں نے کہا جس کی چیز ہے اُسے دے دو۔ انگریز آسٹریلیا میں گئے اور وہاں کے باشندوں کی ایسی حالت کی کہ اس قوم کے اصل باشندوں کو آج تلاش کرنا سخت مشکل ہے اور اگر ان کو تلاش کیا جائے تو چند ہزار سے زیادہ نہیں ملیں گے حالانکہ وہ ہندوستان سے ڈیوڑھا مُلک ہے۔ امریکہ ہندوستان سے دوگنا ہے اور وہ سارے کا سارا آباد ہے لیکن اب تلاش کرنے سے بھی

وہاں کے اصلی باشندے جو کہ ریڈ انڈینز (RED INDIANS) کہلاتے ہیں چند ہزار سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ نہ ان کے پاس جائدادیں ہیں نہ زمینیں وہ مزدوری کرتے ہیں اور اس طرح غریبانہ طور پر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کینیڈا ہے کینیڈا کے اصلی باشندے کہاں گئے؟ جن جن جزائر میں یورپین گئے وہاں کے باشندے تباہ ہو گئے۔

آخر کوئی بتائے تو سہی کہ کیا قسّامِ ازل نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ مسلمان جہاں جائیں گے وہاں کے اصلی باشندے تو زندہ رہیں گے اور ترقی کریں گے لیکن جہاں یورپین اقوام جائیں گی وہاں کے اصلی باشندے مر جائیں گے۔ کہتے ہیں وہاں کے لوگ خود بخود مر گئے مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیوں مَر گئے؟ مسلمانوں کے پاس وٹا منز نہیں تھی لیکن یہ وٹا منز نکال کر بھی وہاں کے اصلی باشندوں کو مارتے جاتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا بہانہ ہے ورنہ کون شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ماتحت ہزار سال میں تو وہ قومیں نہ مریں لیکن جہاں فرانسیسی یا انگریز گئے یا دوسری یورپین قومیں گئیں وہاں کے اصلی باشندے دو تین سَو سال کے اندر اندر مر گئے۔ بیشک افریقہ کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں بیماریاں پڑتی ہیں اور جن میں یورپین دس بارہ سال سے زیادہ نہیں رہ سکتے۔ ایسے علاقوں کو چھوڑ دو جہاں بیماریاں پڑتی ہیں اور جہاں سے وہ حبشیوں کو نکال نہیں سکتے۔ جیسے ویسٹ افریقہ ہے جہاں وبائیں بہت زیادہ پڑتی ہیں اِسی لئے اس کا نام WHITE MEN'S GRAVE ہے یعنی سفید آدمی کی قبر۔ جو انگریز بھی وہاں جاتا ہے آٹھ دس سال سے زیادہ وہاں نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو مر جاتا ہے اِس لئے وہاں کے پادریوں کو آٹھ دس سال کے بعد بدل دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے ہی مبلّغ ہیں جو پندرہ سولہ سال سے متواتر کام کر رہے ہیں اور پھر بھی واپس جانے کے خواہشمند ہیں۔ بہرحال انگریز وہاں آٹھ دس سال سے زیادہ نہیں رہ سکتے۔ اِس دوران میں بھی ایک دو سال کے بعد ان کو لمبی چھٹی مل جاتی ہے پھر بھی وہ مشکل سے اتنا عرصہ وہاں رہتے ہیں۔ اِن علاقوں کو تو یورپین لوگوں نے خود چھوڑ دیا ہے کیونکہ قبر میں رہنا کوئی پسند نہیں کرتا اور اس لئے وہاں کے اصلی باشندے وہاں موجود ہیں۔ مگر ان قبروں کو چھوڑ کر باقی سارے علاقے جو اچھے ہیں اور جہاں ان کا قبضہ ہے وہاں انہوں نے اصلی باشندوں کو بالکل بے دخل کر دیا ہے اور ان کی اکثر

نسلیں فنا ہوگئی ہیں۔ یہی حال نٹال کا ہے وہ سب حبشی بے دخل ہیں، ان کی جائدادوں پر انگریزوں کا قبضہ ہے اور وہ ان کی خدمت گزاری کرتے ہیں۔ بچپن میں جب ہم کھیلا کرتے تھے اور ہمیں کوئی گری پڑی چیز مل جاتی تو ہم اسے ہاتھ میں لے کر کہتے ''لبھی چیز خدا دی نہ دھیلے دی نہ پا دی''۔ بچپن کے لحاظ سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا منتر ہے کہ جس کے پڑھنے سے دوسرے کی چیز لے لینا جائز ہو جاتا ہے۔

یہی حال اُن لوگوں کا ہے ہم جو چیز اُٹھاتے تھے وہ تو چاک کا ٹکڑا یا گُلّی[۲] یا اس طرح کی کوئی اور چیز ہوتی تھی جو حقیقت میں دھیلے بلکہ دمڑی کے برابر بھی نہ ہوتی تھی مگر یہ لوگ ملکوں کے مُلک اپنے قبضہ میں لے کر کہتے ہیں ''لبھی چیز خدا دی'' ہندوستان کا مُلک اُٹھایا اور کہہ دیا ''لبھی چیز خدا دی'' افریقہ جو ہندوستان سے بھی بڑا ہے اُٹھایا اور کہہ دیا ''لبھی چیز خدا دی'' کوئی مُلک ایسا نہیں جو ''لبھی چیز خدا دی'' میں شامل نہ ہو۔ میں ان کے اس جواب پر ہمیشہ حیران ہوتا ہوں کہ اتنے عقلمند ہونے کے باوجود شاید وہ سمجھتے ہیں کہ باقی دنیا پاگل ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے سمجھ ہی نہیں سکتی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ڈنڈے کے زور سے دبے ہوئے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر شور ڈالا تو جیل خانے میں جائیں گے ورنہ انہیں معلوم ہے کہ یہ تصرف بے جا ہے اور بہت بڑا ظلم ہے جس کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ اس بارہ میں وہ کتنا بڑا نشان ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نے دکھایا۔ عیسائی کہا کرتے ہیں کہ تاریخ میں آتا ہے کہ اورنگ زیب نے یہ ظلم کیا یا تاریخ کے فلاں صفحہ پر آتا ہے کہ اس نے اس طرح ناانصافیاں کیں یا فلاں مسلمان بادشاہ کے متعلق آتا ہے کہ اس نے فردوسی کے ساتھ ساٹھ ہزار اشرفیوں کا وعدہ کر کے صرف ایک ہزار اشرفی دی۔ مگر پچھلی باتوں کو چھوڑ دو کہ ان کی صحت یا عدمِ صحت کا ہم کو علم نہیں وہ ذرا موجودہ زمانہ میں ہی اپنی حالت تو دیکھیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس طرح ظلم کئے لیکن وہ اپنے آپ کو تو دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ جو قومیں مسلمانوں کے قبضہ کرنے سے پہلے موجود اور مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد موجود رہیں وہ انگریزوں کے زمانے میں مفقود ہوگئیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے موجودہ دنیا کی عمر تو چھ ہزار سال ہے لیکن انگریزوں کے نقطۂ نگاہ سے دنیا کی عمر بیس لاکھ سال

ہے ہم انگریزوں کے نقطۂ نگاہ کو ہی بالفرض تسلیم کرلیں تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جو نسلیں بیس بیس لاکھ سال سے چلی آ رہی تھیں اور مسلمانوں کے زمانے میں بھی قائم رہیں وہ یورپین قوموں کے قبضہ میں آتے ہی تباہ ہوگئیں۔ یورپین آسٹریلیا میں گئے، افریقہ میں گئے جہاں بھی گئے وہاں کی اصلی قومیں غائب ہونی شروع ہوگئیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جب وہاں کے اصلی باشندوں کی زمینوں پر قبضہ کرلیا گیا، حکومت سے اُنہیں علیحدہ کر کے بے دخل کر دیا گیا اور اپنا غلام بنا لیا گیا تو انہیں زندگی کے ساتھ دلچسپی نہ رہی اور جب کسی انسان کو زندگی سے دلچسپی نہ رہے تو وہ زندہ رہنے کی خواہش ہی نہیں کرتا۔ سمجھتا ہے کہ جب کسی چیز میں میرا دخل ہی نہیں تو میں نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے اس طرح وہ قومیں جو بے دخل ہو جاتیں ہیں خود بخود فنا ہو جاتی ہیں۔ ایک عربی شاعر کے کچھ شعر ہیں جو مجھ کو یاد تو نہیں لیکن وہ شعر تاریخی ہیں اور اُس نے بہت دردناک پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ جب گذشتہ جنگ ختم ہوئی اور اتحادی ملکوں میں فتح کی خوشیاں منائی گئیں تو اس نے کچھ شعر کہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ اتحادیوں نے جنگ فتح کر لی ہے اور لوگ خوش خوش گھروں کو آ رہے ہیں وہ آئیں گے اور خوشیاں منائیں گے۔ پر اے میرے بھائی! تو اُن کی خوشی میں شامل نہ ہونا کیونکہ یورپین تو اپنے گھروں کو خوشیاں منانے آ رہے ہیں پر تیرا کونسا گھر ہے جہاں تو آ کر خوشیاں منائے گا۔ ہاں تیرا گھر تھا لیکن وہاں پر تو غیروں نے قبضہ کر لیا ہے اب تیرے پاس کچھ نہیں۔ فلسطین تیرا گھر تھا لیکن اب نہیں کیونکہ فلسطین پر تو غیروں کا قبضہ ہے۔ وہ لوگ آئیں گے اور خوشیاں منائیں گے اِس لئے کہ اُن کے لئے دنیا میں رہنے کے لئے جگہ ہے لیکن تیرے پاس کونسی جگہ ہے۔ ان کے پاس تجارت ہے پر تیرے پاس کونسی تجارت ہے غرض تیرا تو کچھ بھی نہیں۔ پھر آخر میں کہتا ہے اے میرے بھائی! تیرے لئے دنیا میں کچھ نہیں۔ اب تیرا کام یہ ہے کہ بیلچہ پکڑ اور میرے ساتھ مل، پھر ہم دونوں ایک خندق کھودیں اور خندق کھود کر اپنے مقتولوں کو اُس میں دفن کر دیں یہ ہماری خوشی کا وقت نہیں۔ چونکہ شاعر کی غرض دنیا ہوتی ہے اس لئے وہ خندق کھود کر مُردوں کو دفن کر دیتا ہے۔ پھر کہتا ہے اے بھائی! اب ہم نے اپنے مُردوں کو تو دفن کر لیا ہے اب آ تا کہ ہم ایک اور خندق کھودیں اور اس میں ہم اپنے آپ کو اور اپنے زندوں کو دفن کر لیں کیونکہ ہمارے لئے دنیا میں

کوئی جگہ نہیں ۔ یہ حالت ہے جو انگریزوں نے بنادی ہے ۔ جس طرف بھی دیکھو یہ قبضہ کئے بیٹھے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ ہم تمہاری حفاظت کے لئے بیٹھے ہیں اپنے کسی فائدہ کے لئے نہیں ۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ جو صلح اور انصاف کے نعرے بلند کرتے ہیں، اُن کا ایک مضمون چھپا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم کسی پر بے جا قبضہ پسند نہیں کرتے لیکن اِردگرد کے چھوٹے چھوٹے مُلک جن کا اپنے قبضہ میں رکھنا ہماری حفاظت کیلئے ضروری ہے ہم صرف اُن پر قبضہ رکھیں گے ۔ یہ بات وہی ہے جو یورپین قومیں کہتی ہیں، یہی انگریز کہتے ہیں، یہی فرانسیسی کہتے ہیں اور یہی جرمن والے کہتے ہیں کہ اگر فلاں فلاں مُلک ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو ہماری حفاظت خطرہ میں پڑ جائے گی ۔ اب انڈونیشیا کے باشندوں نے جو اپنی آزادی کا علَم بلند کیا ہے تو فرانسیسیوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ اگر یہ مُلک ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو ہم کیا کریں گے اور انگریزی فوجیں ان کی مدد کر رہی ہیں ۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا دوسروں کو اپنی حفاظت کی ضرورت نہیں؟ آخر ان بیچاروں کا کیا قصور ہے کہ امریکہ والے ان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ان سے کونسی ایسی خطا سرزد ہوگئی ہے جس کی بناء پر وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے ۔ غرض یہ غاصب خود تو دوسرے ملکوں پر بے جا تصرف کرتے ہیں لیکن جب ان پر حملہ ہوتا ہے تو انصاف انصاف پکارنے لگ جاتے ہیں ۔ اٹلی والوں نے جب ایبے سینیا (ABAY SENIA) پر حملہ کیا اور انگریزوں نے شور مچایا تو گو اٹلی والوں نے بھی اس کا جواب دیا مگر جرمنی نے اس کا جو جواب دیا وہ بہت خوب تھا ۔ اُس نے کہا صرف تم ہی اتنے عرصہ سے دنیا کو مہذب بنانے کی کوشش کر رہے ہو اور ہمیں اس میں شامل نہیں کرتے ۔ تم اس غرض کے لئے ہندوستان اور دوسرے ممالک پر قبضہ کئے بیٹھے ہو اب ہمیں بھی اس نیک کام میں حصہ لینے دو اور ہمیں بھی دنیا میں تھوڑی سی تہذیب پھیلانے دو ۔ پس یہ کہہ دینا کہ ہم تمہارے فائدہ کے لئے آئے ہیں نہایت فضول بات ہے تمہیں ان سے کیا ۔ ہر شخص اپنا فائدہ سمجھتا ہے اگر وہ نہیں سمجھتا تو وہ اپنی تباہی آپ مول لیتا ہے دوسرے کو اس سے کیا تعلق ۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ٹاٹا والے کسی رئیس کے روپیہ پر اِس لئے قبضہ کر لیں کہ وہ شرابی ہے اور اپنا مال صحیح طور پر استعمال نہیں کرتا بلکہ ضائع کرتا ہے اگر وہ ایسا کریں تو کیا کوئی شخص ان کی اس بات کو تسلیم کر لے گا ؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ وہ اپنی جائداد شراب نوشی

میں اُڑا رہا ہے یا کنچنیوں کا ناچ کرواکر اور اس طرح دوسرے بیہودہ افعال پر اپنا مال ضائع کر رہا تھا اس لئے ٹاٹا والوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس قسم کے فعل کو جائز قرار دے ہر شخص انہیں مجرم قرار دے گا اور کہے گا تمہیں اس سے کیا غرض کہ وہ اس کو شراب نوشی یا دوسرے لغو کاموں پر کیوں ضائع کرتا ہے، تم اس کے روپیہ پر قبضہ کرنے والے کون ہو۔ یہ حیلہ سازیاں ہیں جو یورپین قوموں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں اور جن کو لوگ کمزور ہونے کی وجہ سے برداشت کر رہے ہیں۔ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی بھیڑیا کسی نہر کے کنارے اوپر کی طرف کھڑا ہوکر پانی پی رہا تھا اور نچلی طرف ایک بکری کا بچہ پانی پی رہا تھا بھیڑیئے کا دل للچایا اور اُس نے چاہا کہ کسی بہانے اُسے کھا جاؤں۔ اُس نے کہا کیوں بے نالائق۔اب تیری یہ جرأت کہ ہمارا پانی گدلا کرتا ہے؟ اس نے کہا حضور اوپر کی طرف کھڑے پانی پی رہے ہیں اور میں نچلی طرف اس لئے آپ کا گدلا پانی تو میری طرف آ سکتا ہے میرا گدلا پانی آپ کی طرف نہیں جا سکتا۔ بھیڑیئے نے غصے سے اُس پر جھپٹ کر کہا۔اچھا! اب آگے سے جواب دیتا ہے۔ یہی حالت غالب قوموں کی ہوتی ہے وہ اپنی مرضی چلاتی ہیں اور جو بات دل میں آئے خواہ وہ کتنی ہی احمقانہ ہو اُس پر عمل شروع کر دیتی ہیں۔

جب دنیا کے ایسے گندے حالات ہو جاتے ہیں اور لوگ ظلم میں انتہائی مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے نبی آتے ہیں۔ اُن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں انصاف قائم کریں لیکن سوال یہ ہے کہ جو تربیت نبی آ کر کرتے ہیں اور جو اخلاق نبی کے آنے سے کسی کو حاصل ہوتے ہیں وہ تربیت اور وہ اخلاق ہماری جماعت کو حاصل ہیں یا نہیں۔ مَیں نے اپنی جماعت میں بھی یہ نقص دیکھا ہے کہ جب کوئی کسی کی چیز لیتا ہے مثلاً کسی کا مکان کرائے پر لیتا ہے تو اُس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اگر میرا زور چلے تو میں کرایہ نہ دوں اور صرف یہی نہیں بلکہ اُس مکان پر قبضہ کر کے وہیں بیٹھا رہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آئے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری ترقی نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اِس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی تک جماعت نے وہ اخلاق پیدا نہیں کئے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ پس اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرو تا تمہیں ترقی ملے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ مظلوم کو بھیڑیئے کے منہ سے نکال

کر طبیب کے سپرد کر دے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ مظلوم کو ایک بھیڑیئے کے منہ سے نکال کر دوسرے بھیڑیئے کے منہ میں دے دے۔ پس جب تک ہماری جماعت وہ اخلاق پیدا نہ کر لے جو انبیاء کی جماعتوں میں ہونے چاہئیں اُس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل نازل نہیں ہو سکتے۔ اگر اِن بُرے اخلاق کے باوجود ہم میں حکومت آ جائے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا تعالیٰ (نَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ) خود اِس ظلم میں شریک ہوگا اور یہ مظلوم کو بھیڑیئے کے منہ سے نکال کر طبیب کے سپرد کرنے والی بات نہیں ہوگی بلکہ ایک مظلوم کو ایک بھیڑیئے کے منہ سے نکال کر دوسرے بھیڑیئے کے منہ میں دینے والی بات ہو جائے گی۔ صرف فرق یہ ہوگا کہ انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر احمدیوں کے ہاتھ میں مال آ جائے گا ورنہ انگریز بھی ویسے اور احمدی بھی ویسے۔ لیکن اگر احمدیوں کے اخلاق ایسے ہوں گے کہ وہ لوگوں کے مالوں کی حفاظت کرنے والے اور اُن پر احسان کرنے والے ہوں گے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے۔

مجھے ایک شخص مکان کے مقدمہ کے بارہ میں ملنے آیا میں نے اُسے سمجھانے کی غرض سے کہا دیکھو! تم فوج میں ملازم ہو۔ سال میں ۱۵، ۲۰ دن کے لئے تم آئے ہو اتنا عرصہ تم مہمان خانہ میں یا اپنے کسی دوست کے ہاں ٹھہر سکتے ہو اِس وقت مکان نہیں ملتے۔ اگر تم نے ان کو اپنے پندرہ دن کے آرام کے لئے نکالا تو ان کو بڑی تکلیف ہوگی۔ صحابہؓ نے تو باہر سے آنے والوں کو اپنی جائدادیں دے دی تھیں بلکہ باہر سے آنے والوں کے ساتھ اس سے بڑھ کر یہ سلوک بھی کیا کہ ان میں سے بعض اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو اپنے بھائی کی خاطر طلاق دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے تا کہ وہ اُس سے شادی کر لے لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اپنے پندرہ یا زیادہ سے زیادہ بیس دن کے آرام کے لئے ان کو جنہوں نے مکان میں ساڑھے گیارہ مہینے رہنا ہے چاہتے ہیں کہ نکال دیں۔ میں نے اس کو اس طرح نصیحت کی اور دیکھا کہ میری نصیحت کا اس پر اثر تھا لیکن اس نے کہا حضور! میں تسلیم کرتا ہوں کہ انہیں اس طرح دِق کرنا میری غلطی ہے لیکن آپ ان سے دریافت کر لیں انہوں نے آٹھ نو ماہ سے تو کرایہ بھی ادا نہیں کیا جس کی وجہ سے میں ان کو نکالنے پر مجبور ہوں۔ میں نے کہا یہ بات تو معقول ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔

اس وقت میری عجیب حالت ہوگئی کہ دیکھو میں نے اس کے دل کو نرم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ایک ایسی بات پیش کر دی ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اگر دوسرے نے کرایہ دیا ہوا ہوتا تو میں نے میدان مار لیا تھا مگر چونکہ وہ آٹھ نو ماہ کا کرایہ بھی کھا جانا چاہتا تھا اور مکان پر قبضہ بھی جمائے رکھنا چاہتا تھا اِس لئے میری حالت اُس وقت ویسی ہی ہوگئی جیسے کہتے ہیں کہ پٹھان نے ایک ہندو کو پکڑ لیا اور کہا کلمہ پڑھو۔ کہنے لگا میں کس طرح پڑھوں میں تو ہندو ہوں۔ پٹھان کہنے لگا خو کلمہ پڑھو ہم ہندو وندو نہیں جانتا تم کو کلمہ پڑھانے سے ہم جنت میں چلا جائے گا۔ اصل بات یہ تھی کہ اُس نے سنا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مسلمان بنا دے تو وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے اِس لئے اس نے کہا خواہ تو ہندو ہے یا کوئی اور آج تجھے کلمہ پڑھا کر چھوڑنا ہے۔ اُس نے تلوار نکال لی اور کہا کلمہ پڑھ نہیں تو ابھی مارتا ہوں۔ وہ بیچارہ منتیں کر کے وقت گزارتا رہا اور اِدھر اُدھر دیکھتا رہا کہ شاید کوئی آ جائے اور میں بچ جاؤں لیکن اُس کی بدقسمتی کہ کافی دیر تک کوئی نہ آیا۔ لالوں کو جان پیاری ہوتی ہے آخر تنگ آ کر کہنے لگا اچھا کلمہ پڑھاؤ۔ پٹھان نے کہا خو تم خود پڑھو۔ اُس نے کہا میں ہندو ہوں مجھے کہاں آتا ہے۔ کہنے لگا خو تمہارا قسمت خراب ہے کلمہ تو ہم کو بھی نہیں آتا اگر کلمہ آتا تو آج تم کو مسلمان بنا کر ہم جنت میں چلا جاتا۔ اِسی طرح میں نے نصیحت کر کے اُس کے دل کو نرم کیا اور جب نرم کر لیا تو اُس نے ایسا جواب دیا کہ میرا کلمہ وہیں رہ گیا اب میں اُسے کیا جواب دیتا۔ اگر اس نے کرایہ ادا کیا ہوتا تو میں اسے کلمہ پڑھا لیتا لیکن اس کے جواب کے بعد میں کیا کر سکتا تھا۔ پس مومنوں کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں چست ہونا چاہئے۔

صحابہؓ میں نیکی کا اتنا غلبہ تھا کہ ایک صحابی کسی دوسرے صحابی کے پاس اپنا گھوڑا بیچنے آئے انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ اُس نے کہا ایک ہزار درہم۔ اُس نے گھوڑے کو دیکھ کر کہا تم نے اِس کا کم مول لگایا ہے اِس کی قیمت تو دو ہزار درہم ہے۔ مالک نے کہا اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے میں صدقہ لینا نہیں چاہتا، میں ایک ہزار درہم ہی لوں گا۔ اُس نے کہا میں کسی کا مال کھانا نہیں چاہتا اِس کی قیمت دو ہزار درہم ہے اور میں دو ہزار درہم ہی دوں گا۔ ہوتے ہوتے یہ بات قاضی کے سامنے پیش ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ یہ گھوڑا دو ہزار کا ہے۔ پھر اُس نے وہ

رقم لی[۲۳]۔ اب دیکھو لینے والا کم بتاتا ہے اور دینے والا زیادہ بتاتا ہے۔ لیکن لینے والا کہتا ہے یہ صدقہ ہے میں نہیں لینا چاہتا اور دینے والا کہتا ہے میں زیادہ دوں گا میں کسی کا مال نہیں کھانا چاہتا۔ یہی چیز تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت دی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان یروشلم کو (جس پر کہ ان کا قبضہ تھا) کسی وجہ سے چھوڑ کر واپس آنے لگے تو بجائے اس کے کہ اس وقت اہلِ شہر جو عیسائی تھے خوش ہوتے کہ مسلمان ہمارے مُلک سے نکل گئے ہیں اور اب ہماری اپنی حکومت ہوگی۔ وہ روتے ہوئے اُن کے ساتھ شہر سے باہر آئے وہ روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا آپ لوگوں کو پھر ہمارے شہر میں واپس لائے[۲۴]۔ اِس نیکی کو پیدا کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے اور آپ نے ایک جماعت قائم کی اب ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ ایسے اخلاق پیدا کرے جو نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوں اور جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وارث بن جائے۔

مَیں نے یورپین قوموں کی جہاں بُرائی بیان کی ہے وہاں اُن کی ایک خوبی بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ ان میں یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ قانون کو قائم رکھتے ہیں جہاں وہ لوگوں کی جائدادوں پر قبضہ کر لیتے ہیں وہاں جو قانون بناتے ہیں اُس پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن ہمارے مُلک کے لوگ خواہ کسی درجہ کے ہوں وہ اِس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اِسی وجہ سے جب کسی انگریز کے پاس مقدمہ چلا جائے تو کہتے ہیں کہ انصاف ہو جائے اور جب مقدمہ کسی ہندوستانی کے پاس جائے تو کہتے ہیں کہ انصاف کی کوئی امید نہیں یہاں سفارش چل جائے گی۔ حتّٰی کہ ججوں کے متعلق شبہ کرتے ہیں یہ شبہ چاہے غلط ہو یا درست آخر شبہ ہندوستانیوں کو اپنے بھائیوں کے متعلق کیوں پڑتا ہے، اور انگریز جو غیر قوم ہے اس کے متعلق کیوں نہیں ہوتا اسی لئے کہ اگرچہ یورپین لوگ ایک ایسی تلوار ہیں جو قوموں کی قوموں کو کاٹتی چلی جاتی ہیں لیکن جو خاص جوڈیشنل معاملات ہیں اُن میں وہ انصاف کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے دوسروں پر ان کا اچھا اثر ہوتا ہے اور وہ اپنی ملکی حکومت کی بجائے غیر قوموں کی حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ جرمنی کے جنگی مجرموں پر جو مقدمات ہو رہے ہیں ان میں انگریز مجسٹریٹ ہیں اور وکیل بھی۔ انگریز ہیں لیکن انہیں وکالت کرتے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ یاد ہی نہیں کہ وہ اتنا لمبا

عرصہ اُن سے برسرِ پیکار رہے ہیں بلکہ وہ اس طرح جرح کرتے ہیں اور اس شدت کے ساتھ وکالت کرتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے کوئی عزیز وا قارب ہیں جن کے لئے وہ اتنی بیتابی اور شدت سے جرح کر رہے ہیں۔ یہی انصاف کی روح ہے جس کی وجہ سے غیر قومیں ان کو پسند کرتی ہیں۔ پس جہاں ان میں ایک رنگ کا ظلم پایا جاتا ہے وہاں ایک رنگ کا انصاف بھی پایا جاتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اُن کی بُری عادت کو چھوڑ دیں اور اچھی عادت کو لے لیں اور ان اخلاق میں ان سے بھی بہتر نمونہ دکھائیں۔

پھر تجارت کو دیکھ لو انگلستان میں خصوصاً اور باقی یورپ میں عموماً یہ خوبی ہے کہ وہ جو چیزیں بناتے ہیں معیاری بناتے ہیں۔ یہاں سے بیٹھے بیٹھے ان سے دس لاکھ کا سَودا کر لو تو اس کے بعد بہت حد تک اطمینان ہوتا ہے کہ جیسی چیز مانگی ہے ویسی ہی مل جائے گی۔ لیکن یہاں پر اگر سامنے بھی سارا مال لیا جائے تو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دھوکا نہ ہوا اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں سر پر بیٹھے لوگ دھوکا کر لیتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ کشمیر گئے اُس وقت میری عمر بیس سال کی تھی ہمارے ساتھ مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی تھے۔ کشمیر میں عام طور پر گبھے بنائے جاتے ہیں جو پُرانے اور پھٹے ہوئے قالینوں سے تیار کئے جاتے ہیں لیکن جب گبھا بن جاتا ہے تو اُس پر مختلف رنگ دیئے جاتے ہیں اور پھر اُس پر ریشم کے دھاگے سے پھول بنا دیتے ہیں اور وہ اچھا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بھی گبھا بنوایا۔ کمرے کے لحاظ سے بنانے والے کو مَیں نے سائز بتایا کہ اتنا لمبا اور اتنا چوڑا ہو۔ چند دنوں کے بعد اس سے دریافت کیا گیا کہ گبھا تیار ہو گیا ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا تیار ہے۔ میں نے دیکھا تو وہ لمبائی اور چوڑائی میں ایک ایک فٹ چھوٹا تھا اور اس سے قیمت میں کئی روپے کا فرق پڑ جاتا تھا۔ پھر وہ کمرے کے لحاظ سے مناسب بھی نہیں تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں تو اسے لینے کے لئے تیار نہیں یہ تو بہت چھوٹا ہے۔ میں نے تو تمہیں کہہ دیا تھا کہ آٹھ فٹ لمبائی اور پانچ فٹ چوڑائی یعنی چالیس مربع فٹ ہو لیکن تم نے تو سات فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا یعنی اٹھائیس مربع فٹ کا گبھا بنایا ہے اور ۱۲ مربع فٹ کا فرق ڈال دیا ہے جو بہت بڑا فرق ہے۔ ایک تو تم نے مجھے دھوکا دیا ہے دوسرے اتنا چھوٹا ہو جانے کی وجہ سے اب یہ میرے کام کا بھی نہیں رہا کیونکہ میں نے یہ اپنے ایک دوست کے کمرے کا سائز لے کر اُس کو بطور تحفہ

پیش کرنے کے لئے بنوایا تھا لیکن اب یہ اس کمرے میں بھدا معلوم ہوگا اس لئے میں اسے پیش نہیں کرسکتا اور یہ اب میرے کام کا نہیں رہا۔ میری یہ بات سن کر اس نے بچوں کی طرح بڑی اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا کہ مجھ پر رحم کرو میں مسلمان ہوں۔ وہ یہ فقرہ بار بار دُہرائے اور مجھے غصہ چڑھے کہ یہ کیوں کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اِس لئے مجھ پر رحم کرو کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا تھا کہ میں مسلمان ہوں اس لئے میں کیوں دھوکا نہ کروں یہ میرا ہی حق ہے کہ میں دھوکا کروں۔ اگرچہ اس کا مطلب یہ نہ تھا لیکن اس سے نکلتا یہی تھا۔ اصل میں اُس کا مطلب یہ تھا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اور تم میرے مسلمان بھائی ہو اس لئے تم مجھے معاف کر دو۔ اُس کے شور کو سن کر لوگ اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے بے چارہ غریب ہے غلطی کر بیٹھا ہے آپ اسے معاف کر دیں اور رقم اسے دے دیں۔ میں نے کہا میں تو دینے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ کیوں کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اس لئے مجھے چھوڑ دو گویا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے فریب اور دھوکا کرنا اس کا حق ہے سیدھی طرح کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے درگزر کر دیں آئندہ اس طرح نہیں کروں گا۔ یہ آجکل کے مسلمانوں کی حالت ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فریب کرنا ہمارا حق ہے۔ اگر فریب کرنا ہمارا حق نہیں تو اور کس کا ہے۔ اسی طرح انگریز بند ڈبوں میں دودھ بیچتے ہیں اور اس میں کوئی ملونی نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں جو دودھ بیچتے ہیں اس میں عام طور پر پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا واقعہ ہے کہ میر محمد اسحاق صاحب کو ایک دفعہ یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح ان دھوکے بازوں کو پکڑا جائے۔ اُنہوں نے ایک آلہ منگوایا جس سے کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دودھ میں ملونی ہے یا نہیں۔ اس آلے میں ایک مقام پر ایک نشان لگا ہوتا ہے جو دودھ کے وزن کے مطابق ہوتا ہے (ہر چیز کا ایک خاص وزن ہوتا ہے اور دودھ کا بھی ایک وزن ہوتا ہے) اگر اس نشان تک آلہ دودھ میں رہے تو دودھ ٹھیک سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ آلہ اس نشان سے اونچا رہے تو سمجھا جاتا ہے کہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہے۔ چونکہ پانی کا وزن کم ہوتا ہے اور دودھ کا زیادہ اس لئے جب پانی دودھ میں ملتا ہے تو دونوں کا وزن مل کر ایک نیا وزن بن جاتا ہے جو کہ دودھ کے وزن سے ہلکا ہوتا ہے اور آلہ اس نشان تک دودھ میں نہیں ڈوبتا جتنا خالص دودھ ہونے کی وجہ سے ڈوبنا چاہئے اس طرح معلوم ہو جاتا ہے

کہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہے۔ وہ آلہ منگوا کر میر صاحب نے شہر میں پھرنا شروع کر دیا اور جس نے بھی دودھ بیچنے کے لئے آنا کہنا کہ دودھ دکھاؤ۔ اگر ٹھیک ہوتا تو اس کو کہہ دینا ٹھیک ہے جاؤ اور بیچو اور اگر آلہ نے دودھ کو ناقص بتانا تو ان کو دودھ بیچنے سے منع کر دینا۔ یہ ان کا مشغلہ ہو گیا تھا کہ سارا دن اِدھر اُدھر پھرنا اور جس کو دیکھنا بلانا اور آلہ لگانا۔ اُس وقت ہسپتال اس چوک میں جہاں پر کہ بُک ڈپو ہے ہوتا تھا اور غالباً ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب وہاں کام کرتے تھے۔ بہرحال جو بھی تھے انہوں نے ایک شخص کے متعلق کہا کہ آلہ کے ذریعہ ہم نے کئی دفعہ اِس کا دودھ دیکھا ہے اور یہ دودھ ٹھیک ہے۔ اس لئے دودھ اس سے لیا جائے۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دفعہ وہی شخص برتن میں سے ایک گڑوی دودھ نکال کر کسی کو دینے لگا تو اس میں سے چھوٹی سی مچھلی کود کر باہر آ پڑی۔ اصل میں وہ ہوشیار آدمی تھا اس نے جب دیکھا کہ یہ آلہ لگاتے ہیں تو اس نے ڈھاب کا پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ ڈھاب کے پانی میں مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے اور مٹی بھاری ہوتی ہے اس لئے پانی کا وزن زیادہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آلہ اس مقررہ نشان تک پہنچ جاتا اور دھوکا بازی کا پتہ نہ لگتا۔ لوگ سمجھتے کہ بڑا دیانتدار ہے کیونکہ آلہ دودھ کے مقررہ نشان تک پہنچ جاتا ہے لیکن ایک دن مچھلی کود کر باہر آ پڑی تو پھر اُس کی چالاکی کا علم ہوا۔ جس قوم میں دھیلے دھیلے اور دمڑی دمڑی کے لئے اتنی دھوکا بازی کی جاتی ہو اور جو قوم دمڑی دمڑی پر اتنی حریص ہو اور جس قوم کے ایسے اخلاق ہوں وہ لوگوں پر کیا رُعب قائم رکھ سکتی ہے۔

اسی طرح ہماری جماعت میں اور بھی کئی ایسے اخلاق کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جب میں ڈلہوزی میں تھا ہم ایک گجر سے دودھ لیا کرتے تھے، میرے ملازم نے ایک دن مجھے بتایا کہ وہ دودھ میں پانی ڈالتا ہے۔ میں نے اُسے ڈانٹ کر کہا کہ تم اس کے متعلق کیوں بدظنی کرتے ہو؟ مگر بعد میں لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس کو دودھ میں پانی ڈالتے ہوئے دیکھا گیا ہے تب مجھے معلوم ہوا کہ بات ٹھیک تھی۔ ایک دن تو لطیفہ ہو گیا۔ ہمارے مہمان زیادہ ہو گئے اِس لئے ہم نے دودھ بجائے سات سیر لینے کے دس سیر لینا شروع کیا۔ دوسرے چوتھے دن چند دوست اُس کو پکڑ کر میرے پاس لائے اور کہا کہ ہم نے اِس کو دودھ میں پانی ڈالتے دیکھا ہے۔ میں نے تحقیقات کروائی تو گوالے نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میری بھینس سات سیر

دودھ دیتی ہے زیادہ نہیں دیتی اِس لئے میں کہاں سے دس سیر لاؤں لیکن یہ کہتے تھے کہ ہم نے ضرور دس سیر دودھ لینا ہے۔ آخر میں کیا کرسکتا تھا میں نے پانی ڈالنا شروع کر دیا تا کہ دس سیر پورا کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سادہ آدمی تھا اُس نے یہ کام دھوکا دینے کیلئے نہیں کیا بلکہ اُس نے سمجھا کہ جب وہ خود دس سیر کہتے ہیں تو اِس کا مطلب صاف ہے کہ پانی ڈال کر دس سیر دودھ پورا کرلو اس لئے میں پانی ڈال کر دیتا ہوں۔ یہ بات تو الگ رہی ڈلہوزی میں تو یہ ہوتا ہے کہ دودھ بیچنے والے کہتے ہیں کہ روپے کا تین سیر والا لینا ہے یا روپے کا پانچ سیر والا یا روپے کا سات سیر والا۔ اگر کوئی لالچ میں آجائے اور سات سیر والا دودھ مانگے تو اس کے سامنے نلکے میں سے ڈیڑھ پاؤ دودھ میں قریباً اڑھائی پاؤ پانی ملا کر اُسے دے دیتے ہیں۔ غرض تجارتی معاملات میں ہندوستانیوں میں عام طور پر دیانت داری نہیں پائی جاتی لیکن یورپین قومیں ان باتوں میں نہایت دیانت دار ہوتی ہیں۔ ان کی چیز اگر خراب ہو جائے تو وہ اسے فوراً پھینک دیں گے لیکن ہمارے مُلک کے تاجر اُن کو پھینکتے نہیں بلکہ سستے داموں بیچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا ایک سٹینڈرڈ (STANDERD) ہونا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس معیار سے چیز نہ گرے اور اگر گرے تو اس کو بیچا نہ جائے۔ اگر اس کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کوئی کارخانہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ہمارے قادیان میں ہی کئی کارخانے ہیں اور اچھے چل رہے ہیں۔ پچھلی دفعہ جب میں لاہور گیا تو بعض بڑے بڑے ماہروں نے تسلیم کیا کہ قادیان اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ہندوستان کے کسی اور شہر میں اتنی ترقی نہیں ہوئی لیکن وہ اور دوسرے مال لینے والے سب یہی شکوہ کرتے تھے کہ کارخانوں کا ایک سٹینڈرڈ نہیں بلکہ کبھی اعلیٰ چیز تیار ہو جاتی ہے اور کبھی ادنیٰ۔ اس کے مقابلہ میں انگلستان کی لاکھوں فرمیں ہیں مگر ان کا سٹینڈرڈ قائم ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے چیکرز رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب کارخانے سے باہر مال جانے لگتا ہے تو وہ پہلے مال کو چیک کرتے ہیں اور جو چیز سٹینڈرڈ سے کم ہو اُسے ردّی قرار دے کر باہر نہیں جانے دیتے بلکہ ضائع کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں چیزوں کا سٹینڈرڈ نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں چیکرز نہیں۔ دوسرے کارخانہ والے اپنے مال کو جان بوجھ کر چاہے وہ کتنا ہی ردّی ہو باہر

نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ردّی چیز کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں اور چونکہ مال لینے والے بھی ہندوستانی ہوتے ہیں وہ بھی سستا مال دیکھ کر خرید لیتے ہیں۔ اگر ایک چیز کارخانہ سے ایک روپیہ پر نکلتی ہے اور بازار میں ڈیڑھ روپیہ کی بکتی ہے تو ردّی مال لینے والے دُکاندار بجائے اِس کے کہ آٹھ آنے کی چیز ایک روپے میں بیچیں وہ ڈیڑھ روپے میں بیچتے ہیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں کہ یہ اصل سٹینڈرڈ والی چیز ہے اور جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز خراب ہے تو وہ دکاندار کے پاس شکوہ کرتے ہیں اور دُکاندار کہتا ہے میں کیا کروں میں نے تو فلاں فرم کو آرڈر دے کر منگوائی تھی اس طرح کارخانہ والوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ انگریزوں میں یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ ہر چیز کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میر مہدی حسن صاحب بھی اِس طرز کے آدمی تھے۔ میر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں چھپوائی کے انچارج تھے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی کتاب کی کاپی چھپتی تو وہ بڑے غور سے پڑھتے۔ اگر فل سٹاپ بھی غلط جگہ لگا ہوتا تو اُس کاپی کو تلف کر دیتے اور نئی لکھواتے۔ اِس طرح کام کرنے والے دو چار دن تک جب تک کہ نئی کاپی تیار نہ ہوتی یونہی بیٹھے رہتے۔ پھر جب وہ تیار ہوتی تو پھر وہ دیکھتے اور اگر کوئی غلطی دیکھتے تو پھر اسے تلف کر دیتے اور اُس وقت تک کتاب چھپنے نہ دیتے جب تک کہ اُنہیں یقین نہ آتا کہ اب اس میں کوئی غلطی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دریافت فرماتے کہ اتنی دیر کیوں لگائی۔ تو وہ کہتے حضور ابھی پروف میں بڑی غلطیاں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی صاف اور اچھی چیز چاہتے تھے اِس لئے آپ کبھی بھی اِس بات کا خیال نہ فرماتے کہ مزدور اور کام کرنے والے یونہی بیٹھے ہیں اور مفت کی تنخواہیں کھا رہے ہیں بلکہ آپ کی بھی یہی خواہش ہوتی کہ لوگوں کے سامنے اچھی چیز پیش ہو۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بھی عادت تھی کہ کتاب میں ذرا نقص ہوتا تو اس کو پھاڑ دینا اور فرمانا دوبارہ لکھو۔ کاتب نے پھر کتاب لکھنی اور اگر کہیں ذرا بھی نقص ہوتا تو اسے پھاڑ دینا اور جب تک اچھی کتابت نہ ہوتی اُس وقت تک مضمون چھپنے کے لئے نہ دینا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن سے کتابت کرواتے تھے وہ شروع میں تو احمدی نہیں تھے لیکن بعد میں احمدی ہو گئے اُن کا لڑکا بھی احمدی

ہے۔ان میں یہ خوبی تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر پہچانتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کی قدر پہچانتے تھے۔ باوجود غیر احمدی ہونے کے جب بھی حضرت صاحب کو کتابت کی ضرورت ہوتی انہوں نے قادیان آ جانا۔ اس زمانے میں تنخواہیں کم ہوتی تھیں پچیس روپے ماہوار اور روٹی کے لئے الاؤنس ملتا تھا۔ان کی یہ عادت تھی کہ جب کام ختم ہونے کے قریب پہنچتا تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آنا اور کہنا حضور! سلام عرض کرنے آیا ہوں مجھے اب گھر جانے کی اجازت دیں۔آپ نے فرمانا کیوں اتنی جلدی کیا پڑی ہے۔انہوں نے کہنا حضور! ضرور جانا ہے۔آپ نے فرمانا ابھی تو کچھ کتابت باقی ہے کہنا حضور! روٹی پکانی پڑتی ہے۔ اِس پر سارا دن صرف ہو جاتا ہے، روٹی پکایا کروں یا کتابت کیا کروں، سارا دن روٹی پکانے میں لگ جاتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمانا آپ کی روٹی کا میں لنگر خانہ سے انتظام کروا دیتا ہوں۔اس طرح اُن کو ۳۵ روپے تنخواہ مل جاتی اور روٹی مفت۔ کچھ دن کے بعد اُنہوں نے پھر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنا حضور! سلام عرض کرنے آیا ہوں جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب نے پوچھنا کیوں کیا بات ہے؟ کہنا حضور! لنگر کی روٹی بھی کوئی روٹی ہے دال الگ پانی الگ اور نمک ہے ہی نہیں اور کسی وقت اتنی مرچیں ڈال دینی کہ آدمی کو سُوکھی روٹی کھانی پڑے یہ روٹی کھا کر کوئی انسان کام نہیں کر سکتا۔آپ نے فرمانا اچھا بتاؤ کیا کروں؟ اُنہوں نے کہنا اس کے لئے کچھ رقم الگ دے دیا کریں اس مصیبت سے تو خود روٹی پکانے کی مصیبت اُٹھانا بہتر ہے میں خود روٹی پکا لیا کروں گا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس روپے اور بڑھا دینے اور کہنا لو اب آپ کو ۴۵ روپے ملا کریں گے۔ پھر اُنہوں نے دس دن کے بعد آ جانا اور کہنا حضور! سلام عرض کرنے آیا ہوں مجھے گھر جانے کی اجازت دیں۔ یہاں سارا دن روٹی پکاتا رہتا ہوں کام کیا کروں۔آپ نے فرمانا پھر کیا کریں؟ کہنا حضور! لنگر خانے میں انتظام کروا دیں۔آپ نے فرمانا اچھا تمہیں ۴۵ روپے ملتے رہیں گے اور کھانا بھی لنگر خانے میں لگوا دیتا ہوں۔انہوں نے واپس آ کر پھر کام شروع کر دینا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر آ جانا اور کہنا حضور! سلام عرض کرنے آیا ہوں جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔حضور نے

پوچھنا کیا بات ہے؟ کہنا حضور! لنگر کی روٹی تو مجھ سے نہیں کھائی جاتی بھلا یہ بھی کوئی روٹی ہے آپ مجھے دس روپے روٹی کے لئے دے دیں میں خود انتظام کرلوں گا۔ حضرت صاحب نے دس روپے بڑھا کر ۵۵ روپے کر دیئے۔ چونکہ وہ حضرت صاحب کی طبیعت سے واقف تھے اُنہوں نے اپنے لڑکے کو سکھایا ہوا تھا کہ میں تیرے پیچھے پیچھے ڈنڈا لے کر بھاگوں گا اور تو شور مچاتے ہوئے حضرت صاحب کے کمرے میں گھس جانا اور اِس اِس طرح کہنا۔ چنانچہ باپ نے ڈنڈا لے کر اُس کے پیچھے بھاگنا اور اُس نے شور مچاتے اور چیختے چلاتے ہوئے حضرت صاحب کے کمرے میں گھس جانا اور کہنا حضور! مار دیا مار دیا۔ اتنے میں اس کے والد نے آ جانا اور کہنا باہر نکل تیری خبر لیتا ہوں۔ حضرت صاحب نے یہ حالت دیکھ کر پوچھنا کیا بات ہے کیوں چھوٹے بچے کو مارتے ہو؟ کہنا حضور! سات آٹھ دن ہوئے اس کو جوتی لے کر دی تھی وہ اس نے گم کر دی ہے۔ اس وقت میں خاموش رہا پھر لے کر دی وہ بھی گم کر دی۔ اب مجھ میں طاقت کہاں ہے کہ اِس کو اَور جوتی لے کر دوں میں اِسے سزا دوں گا۔ اگر آج سزا نہ دی تو کل پھر جوتی گم کر دے گا۔ حضرت صاحب نے فرمانا میاں! بتاؤ جوتی کتنے کی تھی؟ کہنا حضور! تین روپے کی۔ حضرت صاحب نے فرمانا اچھا یہ تین روپے لے لو اور اِس کو کچھ نہ کہو۔ اُنہوں نے تین روپے لے کر واپس آ جانا چار دن نہ گزرنے تو پھر لڑکے نے شور مچاتے ہوئے حضرت صاحب کے کمرے میں گھس جانا اور اُنہوں نے لاٹھی لے کر اُس کے پیچھے پیچھے آنا اور کہنا باہر نکل، اُس دن تو حضرت صاحب کے کہنے پر چھوڑ دیا تھا آج تو تجھے نہیں چھوڑنا۔ حضرت صاحب نے پوچھنا کیا بات ہے کیوں اِس بچے کو مارتے ہو؟ اُس نے کہنا حضور! اُس دن تو میں نے آپ کے کہنے پر چھوڑ دیا تھا آج اِسے نہیں چھوڑنا آج پھر یہ جوتی گم کر آیا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمانا اسے نہ مارو جوتی کی قیمت مجھ سے لے لو۔ پھر انہوں نے جو رقم بتانی وصول کر کے لے جانی اور کہنا حضور! میں نے اِس دفعہ چھوڑنا تو نہیں تھا لیکن آپ کے فرمانے پر چھوڑ دیتا ہوں۔ غرض اِس طرح اُنہوں نے کرتے رہنا لیکن کتابت ایسی اچھی کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ اُن ہی سے اپنی کتابیں لکھوایا کرتے تھے اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی معمولی کاتب سے کتاب لکھوا کر خراب کی جائے کیونکہ اِس طرح کتاب کا معیار لوگوں کی نظروں میں کم ہو جاتا

ہے۔ بہرحال ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرے اور نہ صرف وہ خوبیاں حاصل کرے جو انگریزوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ اُن سے بھی بہتر خوبیاں اپنے اندر پیدا کرے تا کہ ہماری جماعت کا معیار بلند ہو اور لوگوں پر ہمارا رُعب قائم ہو۔

(الفضل ۲۹ تا ۳۱ر جولائی، ۲/اگست ۱۹۶۰ء)

۱؎ بربر: سوڈان کا ایک شہر

۲؎ گُلّی: رقیق چیز

۳؎

۴؎ فتوح البلدان۔ بلاذری صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۹ھ